ضمیمہ اخبار اصلاح لاہور مورخہ ۲۵ جون سنہ ۱۹۱۸ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ولقد یسرنا القرآن للذکر فہل من مدکر

ان الذین فرقوا دینہم وکانوا شیعا لست منہم فی شیء

رسالہ

حسبنا کتاب اللہ

فبای حدیث بعدہ یؤمنون

از تصنیف

مرزا نذر علی صاحب پشاوری

مطبوعہ گلزار محمدی پریس لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علےٰ رسولہ الکریم

قال عمر حسبنا کتاب اللہ

(حدیث کے الفاظ)

عن ابن عباس رضؓ قال لما حضر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفی البیت رجال فیھم عمر ابن الخطاب ۔ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ ھلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ فقال عمر قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب اللہ فاختلف اھل البیت ..... وفی روایۃ سلیمان بن ابی مسلم الاحول الخ ..... +

قال (ابن عباس) اشتد برسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وجعہ فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعدہ ابداً فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ماشانہ اھجر استفھموہ فذھبوا یردون علیہ فقال دعونی ذرونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ الخ مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۸ بخاری مطبوعہ دہلی صفحہ ۶۳۸

اعتراضات امامیہ کی تصحیح

(۱) حضرت عمرؓ یا کسی اور کا حسبنا کتاب اللہ کہنا غلط اور نادرست تھا۔ کیونکہ اُن کا یہ کہنا حدیث ثقلین کے مخالف تھا +

(۲) حضرت عمرؓ کا یہ کہنا بدنیتی پر مبنی تھا۔ کیونکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت علی علیہ السلام کی خلافت کی دستاویز لکھتے تھے جو عمرؓ نے نہ لکھنے دی +

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کو هذیان اور بکواس کی نسبت دی۔ اسلئے وہ گستاخی اور بے ادبی کے مجرم ہیں۔ اور ایسے شخص کا مسلمان ہونا کیسے صحیح اور درست ہو سکتا ہے +

جوابات اور انکشاف حقیقت

حدیث کے راوی اول ابن عباس رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور دو حدیثیں انہی پر منتہی ہوتی ہیں۔ اور صحیح بخاری مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی صفحہ ۶۳۸ اور وحید الزمان کی ترجمۃ البخاری پارہ ہژدہم کتاب المغازی صفحہ ۲۶ پر دونوں حدیثیں موجود ہیں۔ مگر دونو احادیث کے الفاظ میں بہت بھاری اختلاف ہے۔ اور جب الفاظ میں اسقدر اختلاف ہو تو ظاہر ہے کہ معانی میں اس اختلاف کا کس قدر اثر نمایاں ہوگا۔ مثلاً چند اختلافات کا میں یہاں ذکر کرتا ہوں

پہلی حدیث میں یہ فقرہ۔ وعندکم القران حسبکم کتاب اللہ موجود ہے سلیمان بن ابی مسلم الاحول والے اثر میں یہ فقرہ بالکل نہیں پھر دوسری حدیث میں۔ ماشانہ اھجر کے الفاظ ہیں پہلی حدیث میں یہ الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ قد غلب علیہ الوجع کے لفظ مذکور ہیں۔ دوم بعض نسخہ ہائے صحیح بخاری میں بجائے فقال عمر کے۔ فقال بعضھم موجود ہے۔ اسمیں حضرت عمر کا نام نہیں۔ پھر دوسری حدیث میں فقالو ماشانہ اھجر کے الفاظ ہیں۔ اس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام نہیں۔ اور یہ سخت بے انصافی ہے کہ فقالوا کے معنے فقال عمر کے لئے جاویں۔ اور یہ امر تو ظاہر ہے کہ وہاں متنازعین کے دو گروہ ہو گئے تھے جیساکہ فاختلف اھلبیت سے ظاہر ہے اور یہ معلوم نہیں کہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ان کے متعلقین کس طرف تھے +

پس اگر ایک دیندار شخص تمام واقعات پر غور کرے۔ اور ان اختلافات الفاظ پر نظر رکھے تو انصاف یہ ہے کہ وہ ضرور تسلیم کریگا کہ حدیث میں کچھ الفاظ روات کے صحیح بیان کرنے سے چھوٹ گئے

ہیں۔ اور یہ امر یقیناً ثابت نہیں ہو سکتا کہ واقعی اس وقت کیا واقعات پیش آئے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ یا کسی اور نے کیا کچھ کہا۔ اور آیا حسبنا کتاب اللہ اور ماشانہ اھجر۔ کے الفاظ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہے بھی ہیں یا نہ۔ پس جب تک اس پر جزم اور یقین بوجہ ثبوت نہ ہو اعتراض قائم نہیں ہو سکتا۔ جو شخص اعتراض کرتا ہے پہلے اسکو صحیح واقعات بہم پہنچانے چاہئیں محض قیاسات واہیہ سے الزام لگانا بعید از دانشمندی ہے۔ ورنہ پھر تو اعتراض سے کون بچ سکتا ہے۔ اور کتنے صلحا اور اہل حق ہیں جن پر اعتراض نہیں کیئے گئے۔ کیا حضرت علی علیہ السلام پر اعتراض نہیں کیئے گئے۔ کیا آنحضرت صلعم پر آج تک مخالف اور دشمن حاسدین اعتراض نہیں کرتے رہتے۔ بلکہ آئے دن نئے سے نیا اعتراض آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر کرتے رہتے ہیں۔ ڈیڑھ ہزار سال کے گذشتہ واقعات پر اب رائے زنی کرنا پھر دشمن کی حیثیت میں ہو کر اعتراض کرنا کس قدر مبنی بر انصاف امر ہو سکتا ہے۔ وہی امر جو دشمنی اور حسد کی نگاہ میں معیوب اور بدنما معلوم ہوتا ہے۔ دوستی اور محبت کے لباس میں ہرگز مورد الزام نہیں ٹھیر سکتا۔ پھر اعتراض کنندہ کو دیگر واقعات پر بھی تدبر کر لینا مناسب ہے۔ میں حضرت علی علیہ السلام کے متعلق ایک نظیر آپکے پاس پیش کرتا ہوں صلحنامہ حدیبیہ کے کاتب حضرت علی مرتضی علیہ السلام تھے صلحنامہ میں جہاں محمد الرسول اللہ لکھا ہوا تھا مشرکین نے حجت کی اس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہتر ہے رسول اللہ کا لفظ کاٹ دو علی مرتضی نے کہا۔ واللہ امحوك ابدا دیکھیں کہ ایک مفسر امامیہ کہتے ہیں۔ فقال امیرالمومنین ما امحوا سمك من النبوة ابدا فمحاہ رسول اللہ (تفسیر صافی صفحہ ۴۸ سطر ۲) +

رسول کریم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ کے لفظ کو مٹا دو مگر علی مرتضی فرماتے ہیں جواب میں کہ یہ آپکا نام نبوت ہے ہرگز نہیں مٹاتا۔ اب اگر ایک شخص کے دل میں عداوت حسد اور بغض کے جذبات ہوں تو صاف کہدیگا۔ کہ مولا مرتضی نافرمانی اور بے ادبی کے مجرم ہیں۔ اور انہوں نے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ مگر ایک محب اور دوست ان الفاظ کو

نیک نیتی پر حمل کرتا ہے اور انہی الفاظ سے بڑی منقبت حضرت علی کی ثابت کرتا ہے۔ اسیطرح
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کو سمجھنا چاہئے بشرطیکہ دشمنی اور حسد اس شخص کے متعلق
انسان کے دل میں نہو فیما قسم کے احتمالات پیدا کرکے اس پر حاشئے چڑھانا یہ بھی انسان
کر سکتا ہے اور یہ بھی کر سکتا ہے کہ اسکو نیک نیتی پر حمل کرے کہ چونکہ آنحضرت صلعم بیمار تھے اسلئے
حضرت عمرؓ نے بیمار کی تکلیف کو مدنظر رکھ کر ایسا فرمایا۔

قال عمرؓ حسبنا کتاب اللہ (اعتراض اول کے جواب)

۱۔ حسبنا کتاب اللہ یا عندکم القرآن حسبکم۔ ایسا جملہ اور فقرہ ہے جو بالکل سچا اور درست
اور صحیح ہے قرآن کریم کی آیات ذیل اس فقرہ عمری کی مؤید ہیں۔ اور ہدایت قرآنی اس
فقرہ کے عین مطابق ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعاً۔ اللہ تعالے کی رسی (قرآن کو
مضبوطی سے پکڑو اور اسی کے ساتھ تمسک کرو اختلاف اور تفرق مت کرو دوسرے
لفظوں میں اس کے معنے حسبنا کتاب اللہ یا حسبکم کتاب اللہ ہیں اور بس +
قال الراغب الاعتصام الاستمساک بالشیٔ ومنہ قولہ تعالے۔ واعتصموا بحبل اللہ
ای تمسکوا بعهد اللہ (القرآن) ومن یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم ای
من تمسک بحبلہ وعھدہ (تاج العروس) قلت حبل اللہ وعھدہ القرآن الکریم بحد۔
اب حضرت عمرؓ رضی اللہ عنہ نے تو وہ بات کہی جو خدا اور قرآن کے حکم کے بالکل مطابق ہے۔ خدا فرماتا
ہے قرآن سے تمسک کرو مگر جناب امامیہ فرماتے ہیں ہو نہو اہلبیت (ائمہ اثنا عشر) کو ساتھ
رکھو +

۲۔ اولم یکفهم انا انزلنا علیک الکتاب یتلی علیهم ان فی ذلک لرحمة وذکری
لقوم یؤمنون (عنکبوت) ترجمہ۔ کیا یہ قرآن اُن کیلئے کافی نہیں (لینے ہے) جو تجھ پر وحی
کیا گیا ہے۔ اور توان کو پڑھ کر سناتا ہے۔ اس میں ایمانداروں کیلئے رحمت اور نصیحت ہے +
والحسب بمعناه الکفایہ۔ قال تعالے جزاءً من ربک عطاءً حسابا۔ ای کافیاً
حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ ای کافینا اللہ۔ وحسبهم جهنم۔ ای کفتهم اب حسبنا

اور کا فینا کے ایک معنے ہیں۔ تو اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہی بات کہی جو خود قرآن نے اور خود نبی اکرم نے فرمائی تو اسمیں حضرت عمر کا کیا گناہ ہے اللہ تعالٰے بطور حجت اور تعریض کے فرماتا ہے کیا یہ قرآن ان کیلئے کافی نہیں یعنے ہے۔

فبای حدیث بعدہ یومنون

۳۔ اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء قلیلاً ما تذکرون (اعراف)
اتباع کرو اُسکی جو نازل کیا گیا ہے تم پر تمہارے رب کیطرف سے اور اسکے سوا اور کارسازوں کی پیروی مت کرو تھوڑے ہیں تم سے جو نصیحت پذیر ہوتے ہیں +

۴۔ فاستمسک بالذی اوحی الیک انہ لذکر لک ولقومک الخ۔ اسی سے تمسک کر اور اُسی کو مضبوطی سے پکڑ جو تیرے رب کیطرف سے تجھ پر نازل کی گئی ہے تحقیق یہ قرآن تیرے اور تیری قوم کے لئے ایک نصیحت اور یاد داشت ہے اور یہ تمہاری شرافت کا موجب ہے اگر اس سے استمساک کرو +

۵۔ الذین یتبعون الرسول النبی الامی ... واتبعوا النور الذی انزل معہ اولئک ھم المفلحون (اعراف) اس آیت میں رسول کریم اور قرآن کی اتباع کا حکم ہے اور جو ان دونوں کی اتباع کرے وہ فلاح یافتہ ہے اہلبیت کا کہیں ذکر نہیں۔ اور نور سے مراد قرآن ہے (دیکھو تفسیر امامیہ علامہ لاہوری صفحہ ۲۱۲ و ۲۱۳ الجزو التاسع) +

۶۔ والذین یمسکون بالکتاب واقاموا الصلوۃ انا لا نضیع اجر المصلحین (اعراف)
جو لوگ قرآن سے تمسک کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں ہم ان مصلحین کا اجر ضائع نہیں کریں گے (دیکھو تفسیر علامہ لاہوری صفحہ ۳۲۶ پ ۹) +

۷۔ قل انما اتبع ما یوحی الی من ربی ھذا بصائر من ربکم وھدی ورحمۃ لقوم یومنون (اعراف) (دیکھو تفسیر علامہ لاہوری صفحہ ۳۵۹ پارہ ۹) +

میرے خیال میں اس قدر حوالہ جات قرآن ایک صاحب بصیرۃ و انصاف کے لئے کافی اور وافی ہیں جن میں اتباع قرآن اور اتباع رسول کا ذکر صاف اور کھلے الفاظ میں موجود ہے۔ اور کسی ایک جگہ میں بھی اتباع اہلبیت اور ان سے تمسک کرنے کا حکم موجود نہیں۔ اور نہ یہ بتلایا گیا ہے کہ اگر تم

قرآن اور اہلبیت سے تمسک کرو گے تب تم مومن اور نجات یافتہ ہو گے ورنہ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالےٰ ان آیات میں ہم کو ہدایت فرماتا ہے کہ اتباع اور استمساک کیلئے قرآن کافی ہے۔ اور یہی قول حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہے جو قرآنی فرمائش کے مطابق ہے ؛

کیا کوئی مومن باللہ یہ عقیدہ رکھ سکتا ہے کہ قرآن سے تمسک نہیں ہو سکتا یا اس سے ہدایت نہیں ملتی یا ہم اسکو سمجھ نہیں سکتے یا قرآن ہمارے لئے کافی نہیں۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر۔ ھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلا۔ تبیانا لکل شئی ھدی للمتقین۔ شفاءٌ و رحمۃ للمومنین۔ ہر جگہ قرآن میں ذکر ہے اسمیں تعقل کرو۔ اسمیں تدبر کرو۔ اسمیں تفکر کرو۔ اگر ہم اسکو نہیں سمجھ سکتے یا ہم اس پر عمل نہیں کر سکتے تو ہم کو اسکے متعلق حکم کیوں دیئے گئے۔ کیا اللہ تعالےٰ نے تکلیف مالا یطاق ہم کو دی۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا

باقی یہ امر کہ قرآن کو سوائے ائمہ اثنا عشر کے اور کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ ایک غلط قرارداد ہے۔ اگر ہمارے امامیہ احباب ذرہ تعصب سے یکسو ہو کر اسمیں غور کریں تو انکی قباحت پر ضرور مطلع ہو جاوینگے ذرہ انصاف سے غور کریں۔ کہ ہماری تعلیم اور ہدایت کے لئے وہ کتاب بھیجی جس کو ہم خود سمجھ نہیں سکتے معلم ہمارا ہزار سال سے مفقود الخبر ہے۔ جس سے فائدہ ہی کیا ہؤا۔ پھر علماء اور مفسرین شیعہ و سُنی نے ایک لغو حرکت کی بلکہ گُناہ کے مُرتکب ہوئے کہ جس کو وہ سمجھ نہیں سکتے تھے اسکی تفسیریں لکھ ماریں۔ ائمہ اثنا عشری کی اپنی لکھی ہوئی کوئی تفسیر جناب امامیہ پیش نہیں کر سکتے۔ روایت والی تفسیر کو ہم کیا کریں۔ زرارہ۔ ابو بصیر۔ ابی الجارود مُسمّی ابن جوب وغیرہ خود لائق اعتماد نہیں۔ پھر اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ انہوں نے جو کچھ ائمہ اثنا عشر سے سُنا وہی روایت کیا جناب امامیہ اپنی کتب اسماء الرجال کی طرف رجُوع فرمادیں۔ اور اس کا قابل وثوق جواب دیں روایت والی تفسیریں تو اہلسنّت میں بھی موجود ہیں۔ اور اُنکی رویات کا سلسلہ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے حضرات امامیہ کی روایات کا سلسلہ شاذ و نادر رسول اکرم صلعم تک پہنچتا ہے اکثر بلکہ سب روایات کا سلسلہ کسی امام تک منتہی ہو جاتا ہے پھر جو حدیث سلسلہ روایت کے رُو سے درست بھی ثابت ہو جاوے اسمیں تقیہ کا احتمال باقی رہتا ہے کیونکہ جناب شیعہ کے ہاں تقیہ شعار دین سے ہے اور یہ امر انکے اپنے اختیار میں ہے۔ کہ ایک حدیث کو جو ان کے مذہب کے

خلاف ہے مخرج تقیہ سے نکلی ہوئی قرار دیکر رد کردیں۔ گویا ایسا کرنا علمائے شیع کے اپنے اجتہاد پر منحصر ہے ایک حدیث امام معصوم سے منقول ہے۔ راوی بھی اس کے ثقہ اور متدین ہیں۔ مگر اس روایت سے تشیع کے اصول مذہب پر جرح اور زد پڑتی ہے۔ پس ایک مجتہد کو اختیار ہے کہ اسکو تقیہ والی روایت قرار دیکر رد کر دے دیکھیں کس قدر آزادی ہے۔ **امامیہ بھائیو** آپ عدل کو خدا پر واجب قرار دیتے ہو اور یہ امر عدل کے خلاف ہے کہ اُس خدا نے کتاب بھیجی اور معلم کتاب کو ہزار سال سے غائب اور پوشیدہ کر دیا۔ اگر قیامت کے دن اس حدیث کی بناء پر ہم سے بازپرس ہوئی تو ہم صاف کہدیں گے کہ حضور ہمارا معلم ہزار سال سے غائب اور عدم پتہ تھا نہ جزیرہ خضرا کا ہم کو کہیں پتہ ملا نہ جابلقا جابلسا کا نشان خط و کتابت کی کوئی سبیل نہ تھی۔ پھر تمسک ہم کس سے کرتے۔ ہم تو اس سے تمسک کرنے پر طیار تھے۔ مگر خود امام صاحب عالم عالم اعیان میں ظاہر موجود نہ تھے ہمارا اسمیں کیا گناہ ہے مجتہدین کربلا۔ نجف۔ سامرہ۔ ایران لکھنؤ۔ لاہور وغیرہ کو بہتیرا لکھتے رہے۔ کہ براہ نوازش ذرہ تکلیف گوارا کر کے اگر آپ کو جگہ معلوم ہے تو امام صاحب کی خدمت میں تشریف لے جاؤ۔ اور اُن کو تسلی دلاکر ہندوستان میں لے آؤ۔ وہ علی مرتضیٰ علیہ السلام والقرآن بھی ہمراہ لیتے آویں ہندوستان میں گورنمنٹ انگلشیہ کی حکومت ہے امن و امان ہے۔ ہم ضرور امام صاحب سے تمسک کرینگے۔ اور حدیث ثقلین کے مصداق کو عملاً پورا کرینگے مجتہدین فرماتے ہم کو خود بھی پتہ معلوم نہیں ہم کیا کریں انتظار کرو خیر ترح امام کیلئے دعائیں کرو مسجد سہلہ نجف سامرہ کو جاؤ۔ دریا میں عرضی ڈالو۔ یا رب ان قومی اتخذوا ھذا القرآن مھجورا۔ اے میرے رب میری اس قوم نے قرآن کو چھوڑ دیا۔ اگر یہ قرآن کو تدبر اور تعقل سے پڑھتے تو ان مزعومات باطلہ میں ہرگز مبتلا نہ ہوتے بیشک ہم مولوی احمد علی صاحب کے ممنون احسان ہیں کہ انہوں نے لغت کی کتابیں نکال کر جابلقا جابلسا اور جزیرہ خضرا کا پتہ ہم کو بتلایا۔ مگر اُن کی خدمت میں نہایت ادب سے عرض کرتے ہیں کہ مقصود بالذات یہاں یہ امر نہیں کہ لغت کی کتابوں میں ان کے نام لکھے ہیں۔ بلکہ غرض تو یہ ہے کہ ہم ان سے ملاقات کریں یا کم از کم خط و کتابت کر کے ان سے اپنے معالم دین پوچھیں لغت کی کتابوں میں اکثر امکنہ کے اسماء موجود ہیں مگر خارج میں ان شہروں مکانوں کا نام و نشان بھی باقی نہیں پھر لغت میں ہونا اصل مقصد پر کیا اثر پیدا کر سکتا ہے +

مقصود بالذات صحبت اور مجلس امام میں پہنچنا ہے۔ کونوا مع الصادقین حصول معرفت امام زمان موجود موت جاہلیت سے انسان کو بچاتی ہے وہ بدوں اس کے ہرگز میسر نہیں ہو سکتی جبتک امام زمان کی صحبت میں رہ کر یا اسکے اوامر و نواہی کو سنکر اس پر عمل پیرا ہوں۔ کیونکہ امام زمان کی ضرورت اسی لئے تو بیان ہوئی ہے۔ تاکہ اسکے فیض صحبت سے انسان اپنی امراض روحانی کا علاج کر سکے۔ ورنہ قرآن موجود ہے۔ رسول کریم حیات النبی موجود شریعت موجود پھر کسی کی کیا ضرورۃ باقی رہی۔ محض یہ دلخوش کن فقرہ کہ ہمارا امام زمان موجود ہے کس کام۔ اگر ایک شخص امام زمان اُحیٌ رکھ کر بھی اوروں کی طرح علماء اور مجتہدین کا محتاج ہو تو ایسے امام سے اسکو کیا فائدہ +

جو شخص بارہ سو سال سے کوئی خدمت امامت انجام نہیں دیتا اور نہ امور امامت پر قیام کرتا ہے بلکہ غار میں یا کسی جزیرہ میں چھپا بیٹھا ہے وہ کس طرح امام زمان ہو سکتا ہے دیکھو اصول کافی صفحہ ۱۲۰ کتاب الحجہ۔ امام کے کیا کیا فرائض ہیں۔ اور آیا حضرات امامیہ کا وہ امام۔ محمد بن حسن العسکری وہ فرائض ادا کر رہا ہے یا نہ۔ اور اگر وہ فرائض اپنے ادا نہیں کرتا یا ادا کرنے سے معذور اور قاصر ہے تو ایسے فرضی اور موہومی وجود کا ماننا کیا نفع بخش سکتا ہے۔ ابھی اہلسنّت اور شیعہ کی دیگر امامادیث کو چھوڑ کر صرف سردار ائمہ اثنا عشر علی مرتضی علیہ السلام کے کلام پر انحصار کرتا ہوں جس سے ثابت ہوگا کہ قرآن اور سنت رسول ہی قابل اعتصام و تمسک ہیں۔ لاکن سب سے مقدم اس جگہ میں ایک تمسک اور اشتباہ کا رفع کر دینا ضروری سمجھتا ہوں +

جملہ معترضہ

یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ سنت رسول اللہ قرآن سے کوئی علاوہ چیز یا جدا شئے نہیں ہے بلکہ سنت اس عمل کا نام ہے جو رسول کریم صلعم سے واقع ہوا قرآن کے کسی حکم کی تعمیل میں مثلاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوئی۔ اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھ کر اور زکوٰۃ دیکر اس کے معنے فعلاً بتلا دیئے۔ اور صحابہ کرام نے جس طرح آنحضرت صلعم کو عمل کرتے دیکھا اس پر کاربند اور عمل پیرا ہوگئے۔ مثلاً رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فجر کی دو اور ظہر کی چار اور عصر کی چار اور شام کی تین اور عشا کی چار رکعتیں پڑھیں صحابہ نے رسول اکرم صلعم کے

اس عمل کو دیکھا اور اس پر عملدرآمد شروع کر دیا کچھ ضرورت زبانی دریافت اور دیگر گفت و شنود کی نہیں رہی۔ اور قرآن کریم اسی طرف اشارہ فرماتا ہے۔ فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم مالم تکونوا تعلمون (س بقرہ ۳۰) اکثر جہلاء و عقلاء شیعہ جب تنگ آ جاتے ہیں تو پھر کمزور دلائل پر اتر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر قرآن کافی ہے تو کہاں قرآن میں نماز کی دو تین چار رکعتوں کا ذکر ہے مگر یہ اُن کا ضعف اور مکر ہے جو قرآن کو بے اعتبار ثابت کرنے کیلئے اختیار کرتے ہیں۔ تعامل اور سُنّت رسول اللہ سے یہ امر ثابت ہے۔ اگر کتب احادیث میں جو سو سال بعد انکی ترتیب اور تدوین شروع ہوئی اس کا ذکر بہیئت کذائی نہ بھی ہوتا تب بھی کچھ نقص نہ تھا۔ کیونکہ یہ امر تعامل سے وابستہ ہے تم نہیں دیکھتے کہ عملاً مسلسل اس کا طریقہ و طرز عمل ہم تک پہنچا ہے۔ جب کوئی شخص ابتدائے نماز پڑھنے لگتا ہے تو یہ ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ اول حدیثوں کی کتابیں پڑھے اور پھر نماز شروع کرے بلکہ جوں ہی کسی مسلمان کا بچہ آٹھ دس سال کا ہوتا ہے اسکے والدین یا تعلقدار یا مُلّاں اس کو نماز پڑھنا اور ادا کرنا قولاً و فعلاً بتلا دیتا ہے۔ اور اسی کا نام تعامل ہے۔ اور اسی طرز کا نام سُنّت رسول اللہ ہے جو بذریعہ تعامل ہم تک پہنچتا ہے حدیث ایک تائیدی گواہ ہے جسکو سُنّت رسول اللہ کیلئے اہل حق نے تلاش کر کے پیدا اور قائم کیا ہے۔ رسول اللہ صلعم نے خود بھی نماز فعلاً جبرئیل سے سیکھی۔ قریباً سو سال تک جب احادیث جمع نہیں ہوئی تھیں اور کتابت کی صورت بقید رواۃ اس نے اختیار نہیں کی تھی تب بھی صحابہ کرام اور تابعین ھم باحسان نماز پڑھتے روزہ رکھتے حج ادا کرتے زکوٰۃ دیتے تھے وغیرہ وغیرہ حالانکہ کوئی حدیث کی کتاب اس وقت ان کے پاس موجود نہ تھی۔ ففھم۔

علی مرتضیٰ علیہ السّلام کی شہادت

حسبنا کتاب اللہ

(۱) وعلیکم بکتاب اللہ فانه الحبل المتین والنور المبین والشفاء النافع والری الناقع

والعقمۃ للتمسک والنجاۃ للمتعلق لا یعوج فیقام الخ (صفحہ ۳۵۰ جلد ا نہج البلاغۃ)

ترجمہ تمہیں لازم ہے کہ کتاب اللہ پر عمل کرو۔ کیونکہ یہ بڑی مضبوط اور متین رسی ہے! اور ایک ظاہر بیان کرنیوالا روشن نور ہے (یعنے قرآن) اسمیں نفع پہنچانیوالی شفاء ہے۔ پیاس کو بجھانیوالی اور طالب حق کو سیراب کرنیوالی کتاب ہے۔ اس قرآن سے تمسک کرنیوالا خطاؤں اور لغزشوں سے دور ہے۔ جو اس سے تعلق اور مناسبت پیدا کرے اور اس پر چلے اسکے لئے نجات ہے۔ اسمیں کوئی کجی نہیں اسمیں کوئی انحراف نہیں جس سے منہ موڑا جائے۔

۲۔ قال علی علیہ السلام۔ وتکم علینا العمل بکتاب اللہ وسیرۃ رسول اللہ والقیام بحقہ والنبش لسنتہ (صفحہ ۳۹۲ جلد ا نہج البلاغۃ)

۳۔ قال علی علیہ السلام۔ اما وصیتی فاللہ لا تشرکوا بہ شیئاً ومحمداً صلی اللہ علیہ والہ وسلم فلا تضیعوا سنتہ اقیموا ھذین العمودین واوقدوا ھذین المصباحین الخ (صفحہ ۳۲۰ نہج البلاغہ) +

۴۔ قال علی علیہ السلام۔ افیضوا فی ذکر اللہ فانہ احسن الذکر واقتدوا بھدی نبیکم فانہ افضل الھدی واستنوا بسنتہ فانہ اھدی السنن (صفحہ ۲۶۳ نہج البلاغہ جلد ا)

۵۔ باب الرد الی الکتاب والسنۃ وانہ لیس شئی من الحلال والحرام وجمیع ما یحتاج الناس الیہ الا وقد جاء فیہ کتاب او سنۃ (صفحہ ۲۴ اصول کافی)

۶۔ قال بل کل شئی فی کتاب اللہ وسنۃ نبیہ (صفحہ ۳۹ اصول کافی) +

۷۔ وتمسک بحبل القرآن واستنصحہ واحل حلالہ وحرم حرامہ الخ (صفحہ ۱۲۷ جلد ۲ نہج البلاغہ)

ترجمہ۔ قرآن کی رسی سے تمسک اور اعتصام پکڑو۔ اور اسی قرآن سے طلب نصیحت کرو۔ اس قرآن کے حلال کو حلال اور اسکے حرام کو حرام جانو۔ یہ علی مرتضیٰ علیہ السلام حارث ہمدانی کو حکم دیتے ہیں۔ اگر اہلبیت سے بھی تمسک کا حکم ہوتا تو حضرت علی کس طرح صرف واحد قرآن ہی سے تمسک کرنے کا حکم ارشاد فرماتے کیا حضرت علی علیہ السلام بھی حسبکم کتاب اللہ کہنے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہمخیال ہیں یا نہ۔ اگر حضرت عمر حسبکم کتاب اللہ

کہنے میں مجرم ہے تو حضرت علی بھی ہیں کیوں حضرت علی علیہ السلام نے اہلبیت کا ذکر ساتھ نہیں فرمایا فما هو جوابکم جوابنا +

۸ حضرت علی علیہ السلام مالک ابن اشتر کو حکم دیتے ہیں امرہ بتقوی اللّٰہ وایثار طاعتہ واتباع ما امر بہ فی کتابہ من فرائضہ وسننہ التی لا یسعد احد الا باتباعہا ولا یشقی الا مع جحودہا واضاعتہا الخ (صفحہ ۸۴ جلد ۲ نہج البلاغۃ)

۹ حضرت علی علیہ السلام امام حسن[1] کو حکم دیتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں +

فانی اوصیک بتقوی اللّٰہ ولزوم امرہ وعمارۃ قلبک بذکرہ ۔ والاعتصام بحبلہ وای سبب اوثق من سبب بینک وبین اللّٰہ ان انت اخذت بہ (صفحہ ۹ جلد ۲ نہج البلاغۃ)

غور کرو ۔ والاعتصام بحبلہ قرآن کو حبل اللّٰہ فرمایا ۔ اور امام حسن کو حکم ہوتا ہے جو بقول اہل تشیع احد الثقلین نمبر ۲ ہے اور نمبر ۷ میں وتمسک بحبل القرآن کا جملہ موجود ہے اسکو اسکے ہمراہ مقابلہ کرو +

۱۰ ۔ حضرت علی علیہ السلام امام حسن کو نصیحت فرماتے ہیں :-

واللّٰہ اللّٰہ فی القرآن لا یسبقکم بالعمل بہ غیرکم (صفحہ ۱۰۲ نہج البلاغۃ جلد ۲) +

۱۱ ۔ قال علی علیہ السلام ۔ واعلموا انہ لیس علی احد بعد القرآن من فاقۃ ولا لاحد قبل القرآن من غنی فاستشفوہ من ادوائکم واستعینوا بہ علی لاوائکم (صفحہ ۴۰ نہج البلاغۃ جلد ۱) +

جان لو کہ قرآن حاصل کرنے کے بعد انسان کو کسی علم کی احتیاج نہیں (نیرنگ فصاحت صفحہ ۲۵۳)

ای ان التمسک بالقرآن لا یحتاج الی غیرہ ۔

۱۲ ۔ میرے مکرم ومعظم بھائی حکیم محمد حسین صاحب مرہم عیسیٰ نے پیغام صلح نمبر ۱۰ میں ایک حدیث مشکوٰۃ سے نقل فرمائی ہے جو عن الحارث الاعور علی مرتضیٰ علیہ السلام سے مروی ہے یہ حدیث خود اہل تشیع میں بھی درجہ صحت تک پہنچی ہوئی ہے تفسیر صافی میں نقلاً اور تفسیر عیاشی میں باسناد مذکور ہے وھو ھذا :-

روی العیاشی باسنادہ عن الحارث الاعور قال دخلت علی امیر المومنین فقلت یا امیر المومنین انا اذا کنا عندک سمعنا الذی نسد بہ دیننا واذا خرجنا

---

[1] امام حسن جو بقول تشیع احد الثقلین ہے اسکو حکم ہے (ن)

من عندك سمعنا اشياء مختلفة مغموسة ولا ندری ما هی قال او قد نعلوها قال قلت
نعم قال سمعت رسول الله يقول اتانی جبرئیل فقال یا محمد ستکون فی امتک فتنه
قلت فما المخرج منها فقال كتاب الله ... وهو الفصل ليس بالهزل من وليه من جبار
فعمل قصمه الله ومن التمس الهدى فی غيره اضله الله وهو حبل الله المتين
وهو الذكر الحكيم وهو الصراط المستقيم لا تزيغه الاهوية ولا تلتبسه الالسنة
ولا يخلق على الرد ولا ينقضی عجائبه ولا يشبع منه العلماء هو الذی لم
تلبث الجن اذ سمعه ان قالوا انا سمعنا قرانا عجبا يهدی الى الرشد من قال به
صدق ومن عمل به اجر ومن اعتصم به فقد هدى الى صراط مستقيم هو الكتاب
العزيز الذی لا يأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل الخ (صفحہ تفسیر صافی)
اسی صفحہ تفسیر مذکور پر اور حدیثیں بھی ہیں جو بوجہ طوالت میں درج نہیں کر سکتا۔ اب کوئی عقلمند اُن سے
پوچھے کہ ان تمام احادیث میں کہاں اہلبیت کا ذکر ہے۔ اور یہ کہاں لکھا ہے کہ بغیر اہلبیت اور عترت کے
قرآن کافی نہیں۔ بلکہ احادیث بھی پکار پکار کر کہتی ہیں۔ کہ قرآن (کتاب اللہ کافی ہے) کیا تم خدا
اور رسول اور قرآن اور علی مرتضیٰ کی متفقہ شہادت بھی نہیں مانتے۔ دوستو میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ حضرت عمر رضی اللہ کی دشمنی اور عداوت سے یہ تشیع کا گروہ ہرگز کسی کی نہ مانیگا نہ سُنیگا +

ولما جاءهم رسول من عند الله مصدق لما معهم نبذ فريق من الذين اوتوا
الكتاب كتاب الله وراء ظهورهم كانهم لا يعلمون - واتبعوا ما تتلوا
الشياطين على ملك سليمان الخ

افتطمعون ان يؤمنوا لكم وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله
ثم يحرفونه من بعد ما عقلوه وهم يعلمون (س بقرہ) +

میں بڑا تعجب کرتا ہوں اس قوم کے اعتقادات اور حالات پر میں اُس نہایت درجہ کی سفاہت
اور جہالت سے بھی پناہ مانگتا ہوں جو انسان کو وهم فی سکرتهم يعمهون کی مصداق بنا دے +

ام تحسب ان اكثرهم يسمعون او يعقلون ان هم الا كالانعام بل هم
اضل سبيلا (س فرقان) +

الامان والحفیظ۔ جن کی محبت اور دوستی کی خاطر بزعم باطل خود حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو کوستے ہیں۔ ان میں سے ایک نے تو اس کو خسر بنایا اور دوسرے نے داماد +

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ اللہ اکبر ھو الذی خلق من الماء بشراً فجعلہ نسباً و صھراً و کان ربک قدیرا (سن فرقان)

نمبر ۱۲ میں جو حدیث میں نے تفسیر صافی سے نقل کی ہے۔ اور کتب اہلسنت میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ اس نے تمام جھگڑے کا فیصلہ ہی کر دیا ہے۔ اس کے الفاظ اور کلمات پر غور کرو۔ امت فتنہ میں مبتلا ہے۔ اور علاج رسول اللہ نے یہ بتلا دیا ہے کہ اس وقت (قرآن) سے تمسک کرو اور کوئی علاج نہیں بلکہ رسول اللہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر سوائے قرآن کے اور کسی سے اعتصام کیا گیا تو وہ گمراہ ہوگا۔ اور قرآن رُشد کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ حتےٰ کہ جنہوں نے اسی قرآن کو سُنا اور اس سے ہدایت حاصل کی پھر تعجب ہے تشیع کے دل و دماغ پر کہ اس حدیث میں اہلبیت کا ذکر ہی نہیں۔ حالانکہ اس کا ذکر کیسا ضروری تھا۔ کیونکہ رسولکریم صلعم نے اس فتنہ سے نکلنے کا علاج بتلایا ہے۔ اور اہلبیت کا نام تک نہیں لیا۔ پھر اگر دونوں لازم ملزوم ہوتے تو رسولکریم صلے اللہ علیہ وسلم ضرور اس موقع پر فتنہ سے بچنے کیلئے قرآن اور اہلبیت دونوں کا ذکر کرتے مگر چونکہ ایسا نہیں تھا اسلئے اہلبیت کا ذکر تک نہیں فرمایا۔ اور اگر اہلبیت کا ذکر ہوتا تو العیاذ باللہ نقل کفر کفر نباشد آنحضرت صلعم پر جھوٹ کا الزام عائد ہوتا۔ کیونکہ بقول تشیع اہلبیت ہزار سال سے مفقود الخبر ہے۔ اور حدیث کا مصداق واقعات سے ثابت ہوتا۔ یا بالفاظ دیگر حدیث واقعات حس اور مشاہدہ سے جھوٹی ثابت ہوتی۔ پس حدیث ثقلین اُس طرح پر جس طرح کہ تشیع ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کا مفہوم جو کچھ کہ وہ بتلاتے ہیں غلط ہے۔ کیونکہ وہ قرآن اور قال الرسول اور اقوال علی مرتضیٰ اور ائمہ علیہم السلام کے سخت مخالف اور متناقض ہے۔ پس بقول علامہ لاہوری ہر چہ با قرآن مطابقت حاصل نکند موضوع و مختر ع است و این حدیث با قرآن ہرگز مطابقت ندارد و چوں مخالف قرآن است مردود است۔ فتدبر +

۱۳۔ ثم اختار سبحانہ لمحمد صلی اللہ علیہ و آلہ لقاءہ و رضی لہ ما عندہ و اکرمہ عن دار الدنیا و رغب بہ عن مقارنۃ البلوی فقبضہ الیہ کریما صلی اللہ علیہ و آلہ۔ و خلف فیکم ما خلفت الانبیاء فی اممہا اذ لم یترکوھم ھملاً بغیر طریق واضح و لا علم قائم۔ کتاب ربکم فیکم مبیناً حلالہ و حرامہ و فرائضہ و فضائلہ الخ

(صفحہ ۲۷ نہج البلاغہ جلد ۱) +

ترجمہ - پھر اللہ تعالےٰ نے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے اپنی ملاقات کو اختیار کیا۔ اور برضا ورغبت اپنا تقرب ان کیلئے پسند فرمایا۔ اور دُنیا سے رحلت کر جانے پر انہیں مکرم کیا ... پس انہیں اپنے پاس نہایت عزت و اکرام سے بُلا لیا۔ صلی اللہ علیہ و آلہ۔ اس پیغمبر برحق نے تمہارے درمیان اس چیز کو چھوڑا - جسے انبیاء سلف اپنی اُمتوں میں چھوڑتے چلے آئے ہیں - کیونکہ کسی نبی نے اپنی اُمت کو شُتر بے مُہار کی طرح واضح اور صاف راستے اور قائم رہنے والے نشان کے بغیر نہیں چھوڑا۔ تمہارے درمیان جو چیز چھوڑی گئی ہے وہ تمہارے رب کی کتاب ہے تمہارے درمیان - جو اس کے حلال و حرام فرائض اور مستحبات کو بیان کرنیوالی ہے۔ اور اسی خطبہ میں جناب مرتضیٰ قرآن کی نسبت آگے چلکر فرماتے ہیں مفسراً مجملہ - یعنے یہ قرآن خود اپنی مجمل کی تفسیر کرتا ہے - اب یا تو خلفت فیکم کتاب اللہ کو مانو جیسا کہ علی مرتضیٰ فرماتے ہیں - اور وہ اسی امر کو سُنّتِ انبیاء سابق قرار دیتے ہیں - اور یا خلفت فیکم الثقلین کو مانو - اب ہم دیکھیں گے کہ علماء تشیع علی مرتضیٰ علیہ السّلام کے ان اقوال کو بسر و چشم قبول کرینگے۔ یا ان سے مُنہ موڑینگے - اور ابنِ سبا کے مُروّجہ طریقہ پر چلینگے یا مومن الطاق کے زرارہ - ابے الجارود مسمی لبہ حوب کی مرویات سخیفہ اور زرولیدہ بیانات سے تمسک کرینگے - اتباع اہلبیت کے دعوے کی صداقت معلوم ہو جائیگی + فنفہم -

حقیقت میں حسبنا کتاب اللہ ایک ایسا دِلربا اور پُر معرفت فقرہ ہے جو ایسے شخص کی زبان سے نکل سکتا ہے جس کے دل میں قرآن کی عظمت کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوئی ہو - اور وہ ایسا مُوحد اور خدا پرست ہو جس کا ثانی شاید ہی مادرِ گیتی پیدا کر سکے - بیشک میرا یہ بیان ایک خدا پرست عاشق قرآن کریم پر اپنا اثر کر سکتا ہے مگر ایک مردہ دل مخلوق پرست جھنڈے کا دلدادہ ضرور اس پر استہزا اور تضحیک ہی کریگا +

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سوائے اس فقرہ کے ہرگز اور کچھ نہیں کہہ سکتا تھا - قرآن صحابہ کرام کے سامنے اُترتا تھا صاحب الوحی ان میں موجود تھا - قرآن اُن کو سُنایا اور پڑھایا جاتا تھا - کوئی کُوڑ مغز اگر اپنے پڑھنے اور سُننے پر جناب صحابہ کرام کے پڑھنے اور سُننے کو قیاس کرے تو وہ نادان احمق اور سفیہ ہے - اور ہرگز آثار میں وارد ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں - کہ ہم دس دس آیتیں آنحضرت صلعم سے پڑھتے تھے -

اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان دس آیتوں پر عملدرآمد (عمل پیرا) نہ ہو جاویں +
وہ قرآن کے نزول اور اس کے زنج معجزات اور برکات کو بارش کی طرح اُترتے ہوئے دیکھتے تھے وہ
خدا قرآن اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر علیٰ وجہ البصیرۃ ایمان رکھتے تھے اُن کو حق الیقین کا درجہ حاصل
تھا۔ قل ھذہ سبیلی ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی الخ (س یوسف) جو جو قرآن نے وعدہ
وعید۔ بشارات اور انذار کیئے وہ انہوں نے پورے ہوتے دیکھ لیئے اُن کا اعتقاد اور ایمان قرآن پر ایسا
پکا اور مستحکم تھا جیسا کہ ہمارا الیقین آفتاب کے وجود پر ہے اُسوۂ حسنہ اور سنت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا
وہ خود مجسم نمونہ تھے بھلا وہ قرآن پر اگر حوالہ نہ دیتے اور حسبنا کتاب اللہ نہ کہتے تو اور کس چیز کو
پیش کرتے قرآن دستور العمل سنت رسول کریم صلعم کے وہ خود عملی نمونہ یا عکسی تصویر تھے دوسری کوئی چیز
ہی اس وقت متصور نہیں ہو سکتی تھی +

اِن سادہ لوحوں کا منشا ہے کہ حضرت عمر کہہ دیتے صاحب اگر ہم کو علوم شرعیہ دینیہ میں کسی امر
کی ضرورت پڑی تو حضور مولے مرتضیٰ یا بی بی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہما سے ہم پوچھ لیں گے۔ یہ لوگ
بوجہ کج الفہم ہونے کے اتنا بھی نہیں سوچتے کہ اگر کوئی مسلمان یمن شام ایران یا افریقہ کا رہنے والا
ایسا کہتا تو ممکن تھا قیاس اسکو تسلیم کر سکتا ہے۔ کہ بوجہ دوری از حضوری اسکو ایسا کہنا مناسب
بھی تھا قرین عقل بھی ہے۔ مگر بھلے لوگو جو شخص ہر وقت مدینہ میں پانچ وقت کی نمازوں میں
حاضر باش ہو حرکات سکنات نشست برخاست سفر حضر خلا ملا غرضکہ ہر قسم امور و حالات رسالت پناہی
کا صحیح علم رکھنے والا ہو ارشد تلامذہ نبوی سے گنا جاتا ہو جس کی نسبت حضور پرنور ارشاد فرماویں +
قد کان یکون فی الامم محدثون فان یک فی اُمتی احد فعمر بن الخطاب (قال محدثون
یعنی مفہمون) +

محدث ای من یلقی فی نفسہ شئی (مجمع البحار) وقیل یکلمھم الملائکۃ وقال البخاری
ای یجری الصواب علی السنتہم جن کی رائے اور فراست مبارک کے ساتھ مواقعات متعددہ
میں وحی الٰہی کا توارد واقع ہوا ہو بھلا وہ سوائے حسبنا کتاب اللہ کے اور کیا کہہ سکتا ہے وہ تو
بحکم رسول (محدث) تھا (یجری الصواب علی السنتہم) جن کی زبان پر صحیح بات خدا کی طرف سے جاری ہو

پس حسبنا کتاب اللہ جو حضرت عمر کی زبان پر جاری ہوا وہ بالکل صحیح صواب! در بر حق تھا اعتراض کنندہ نادان اور سفیہ ہے! اور ائمہ محدث ہوتے ہیں۔ ایک شیعہ متکلم مرزا حسین لنوری طراسی لکھتے ہیں۔ محدث یعنی آنکہ ملک با او سخن گوید" +

پھر یہ لوگ ذرہ تعقل سے کام نہیں لیتے۔ کہ یہ بات وہ کس کو کہتا ہے ان اشخاص کو جو خاص الخاص مقرب بارگاہ نبوی اور اہلبیت ہیں۔ جناب رسولکریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تو حسبنا کتاب اللہ کہنے کو صحیح سمجھا چنانچہ اسی کے مطابق عمل ہوا کتابت و تحریر کو ترک کیا گیا۔ مگر یہ صاحب تیرہ سو سال بعد بھی راضی ہونے میں نہیں آتے۔ یہ لوگ صاحب ما ینطق عن الھوی الخ پر بھی درپردہ اعتراض کرتے ہیں کہ اُس نے اس حکم کو جو وحی آلہی سے تھا اور جس پر گمراہی اور عدم گمراہی امت منحصر تھی عمر کے ڈر سے ترک کر دیا۔ اور نہ لکھوایا۔ گویا امت کو گمراہی میں چھوڑ گئے۔ اور آنحضرت صلعم گویا اس آیت کے مصداق بن گئے تھے فلعلک تارک بعض مایوحی الیک وضائق بہ صدرک الخ (س ہود) پس شاید کہ تو اے رسول اس وحی آلہی سے جو تیری طرف نازل ہوتی ہے بعض کو ترک اور چھوڑ دیگا اس وجہ سے کہ ان کی باتوں سے تیرا دل تنگ ہوتا ہے (یعنے بعض وحی کو بوجہ ان کی باتوں کے تو بیان کرنا نہیں چاہتا) مگر افسوس کہ وہ وحی جو کتابت وصیت کے متعلق تھی قرآن میں کسی جگہ نہیں شاید حضرت عثمان نے نکال دی ہو گی۔ کیا قشیع قرآن سے یہ حکم بتلا سکتے ہیں کہ جس کے رُو سے آنحضرت صلعم نے فرمایا ایتونی بدوات وقرطاس اکتب لکم۔ یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ۔ یہ ہیں امامیہ اصحاب جو حضرت عمرؓ کی دشمنی سے ایسے اندھے ہو گئے۔ کہ حضرت رسولکریم صلے اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض وارد ہونے سے نہ ڈرے + اور اگر وہ حکم کسی وحی کی بناء پر نہیں تھا تو کیوں نیک نیتی سے وامرھم شوریٰ بینھم کے ماتحت اسکو نہیں سمجھتے! اور جو لوگ آنحضرت صلعم کے طریقہ عمل کے ہمراہ اصحابہ و اہلبیت ہے صحیح علم رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ صحابہ معاملات میں آنحضرت صلعم کے ہمراہ بحث مباحثہ کرتے تھے۔ اور بعد رد و کد بحث مباحثہ کے ایک امر طے ہوتا تھا۔ خود آنحضرت صلعم ہمراہ

صحابہ کرام معاملات میں مشورہ کرتے اور ان سے رائے لیتے تھے اور مشورہ میں جو جرح اور قدح مباحثہ ہمراہ آنحضرت صلعم کے ان کا واقع ہوتا وہ نہ کوئی گناہ سمجھا جاتا تھا اور نہ بے ادبی اور نہ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر کبھی صحابہ کرام کو تنبیہ کی باقی کا عیں حسبنا کتاب اللہ یا عندکم القرآن حسبکم بالکل صحیح اور درست تھا حدیث ثقلین جیسا کہ تشیع ذکر کرتے ہیں خود خلاف قرآن ہے جو مردود ہے۔ وار ضعاف بلکہ موضوع کی قسم سے ہے اس حدیث کے متعلق میرے بہت سے مضامین پیغام صلح میں نکل چکے ہیں وہ مفصل مطالعہ کریں۔ اور میری تحقیقات کو دیکھا جاوے بہت لطیف مباحث ہیں +

بحث اعتراض امر دوم

یہ کہنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا کسی بدنیتی پر مبنی نہیں اور کوئی سمجھدار شخص جو معمولی عربیت سے واقف ہو اسکو بدنیتی پر محمول نہیں کر سکتا۔ بخاری میں صاف لفظ موجود ہیں۔ فقال لعضھم قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن (صفحہ ۶۳۸ بخاری مطبوعہ دہلی) علت بیان بھی صاف حدیث میں مذکور ہے کہ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درد یا بیماری کا غلبہ ہے ان کو تکلیف نہ دو اصل میں دشمنی بُری بلا ہے۔ ایک شخص بیمار کے آرام کو مدنظر رکھ کر یہ کہتا ہے۔ دشمن اس کے ایسے مستحسن فعل و کلام پر نکتہ چینی کرتا ہے سبحانک ھذا بھتان عظیم +

اس رائے کے رکھنے والے بہت تھے اسی واسطے اختلاف واقع ہوا۔ اور اختلاف درمیان اہلبیت کے واقع ہوا جیسا کہ جملہ (فاختلف اھل البیت) سے واضح ہے ہم دیکھینگے کہ جناب امامیہ خود اس جگہ اہلبیت کے کیا معنے تجویز فرماتے ہیں۔ ان میں اختلاف قلم دوات کے لانے یا دلانے تحریر کرنے یا نہ کرنے پر ہوا۔ اور دو گروہ ہو گئے۔ حضرت مولےٰ مرتضیٰ اور بتول عذرا کس گروہ میں تھے پھر تعجب وہ خود کیوں قلم دوات اُٹھا کر نہ لائے اور شیع کو اپنی روایات سے خود پکڑے جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلعم ایام مرض میں حضرت علی کے گھر اُن کی گود میں تھے یا یہ روایت مختلف ام سلمہ کے گھر میں تھے اہلبیت عرت مانے البیت در حقیقت مولےٰ مرتضیٰ اسی گروہ میں تھے جنہوں نے کہا حسبنا کتاب اللہ ورنہ وہ خود ضرور قلم دوات اُٹھا کر لاتے یا حضرت زہرا کو فرمائش کرتے۔

گذشتہ اوراق میں جس قدر اقوال حضرت علی کرم اللہ کے ہم نے درج کیئے وہ علی مرتضیٰ علیہ السلام کے مذہب پر شاہد ہیں۔ کہ خود علی کا مذہب بھی حسبنا کتاب اللہ ہے۔ اور ضرور وہ اسی گروہ میں تھے جس گروہ میں حضرت عمر تھے +

جواب تحقیقی و الزامی مشترک

حضرات امامیہ فرماتے ہیں۔ کہ علی مرتضیٰ کے لئے سند خلافت لکھتے تھے۔

(۱) قرآن گواہ ہے کہ آنحضرت صلعم لکھنا نہیں جانتے تھے۔ وَلَا تَخُطُّهُ بِيَمِينِكَ (س عنکبوت) احادیث قرآن کے برخلاف قابل رد ہے +

(۲) میں کہتا ہوں اڑھائی ماہ پہلے ستر ہزار کے مجمع میں غدیر خم پر ولیعہدی ہو چکی۔ اب کیا ضرورت بھولے ہیں +

(۳) حقیقت اس طرح پر ہے کہ حضرت عباس نے جناب مولےٰ مرتضیٰ کو کہا چلو آنحضرت سے خلافت کے متعلق پوچھ لیں۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک سے آثار وفات عیاں ہیں مجھ کو بنی ہاشم کی اس کیفیت کا علم ہے مولیٰ مرتضیٰ نے کہا میں نہیں پوچھتا اگر آنحضرت صلعم نے انکار کر دیا تو پھر خلافت میں ہمارا کوئی حق قطعاً باقی نہیں رہیگا حضرت عباس نے فرمایا دیکھو گے کل غلامی کرو گے۔ حدثنی اسحاق اخبرنا بشیر بن شعیب الخ .... اذھب بنا الیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلنسئلہ فیمن ھذا الامران کان فینا ... انی واللہ لا اسئلہا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم (بخاری کتاب المغازی صفحہ ۳۲ پارہ ۱۸) +

(۴) انہی ایام مرض میں آنحضرت نے ابو بکر صدیق رضؓ کیلئے سند خلافت لکھوانی چاہی۔ عن عائشہ۔ قالت قال لی رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ادعی لی ابا بکر اباک واخاک حتیٰ اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولیٰ ویابی اللہ والمومنون الا ابا بکر (رواہ مسلم) اور قلم دوات مانگی حضرت عائشہ نے کہا لاؤ حضرت مرتضیٰ اور فاطمۃ الزہرا نے کہا مت لاؤ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جو مولیٰ مرتضیٰ کی شرف دامادی سے مشرف ہو چکے تھے اور امیدوار تھے

مولیٰ مرتضیٰ کی تائید فرمائی۔ اور ان کے ایما اور خیال کو سمجھ گئے۔ اور جھگڑے کا تصفیہ اس طرح کر دیا کہ خدا کی کتاب کافی ہے (حسبنا کتاب اللہ) +

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ ایام مرض میں آنحضرت صلعم نے کہا۔ لاؤ اپنے باپ ابوبکر کو اور بھائی کو۔ تاکہ میں انکو خلافت کی دستاویز لکھ دوں تاکہ کوئی متمنی اپنے آپ کو حقدار قرار نہ دے حالانکہ اصل بات تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور مومن دونوں سوائے ابوبکر کے اور کسی پر رضامند نہیں ہونگے اور اسی کو خلیفہ بنائینگے۔ اب اگر کوئی کہے کہ اس حدیث کی راوی تو اُمّ المومنین عائشہ ہے اسلئے من گھڑت ہے تو ہم اسکی تصدیق کتب معتبرہ امامیہ اور اقوال علی مرتضیٰ سے کروا دیتے ہیں ملاحظہ ہو تفسیر صافی اور قمی اور مجمع البیان طبرسی زیر تفسیر آیت۔ قالت من انباک ھذا قال نبانی العلیم الخبیر (س تحریم) +

فقال رسول اللہ۔ ان ابابکر یلی الخلافۃ بعدی ثم بعدہ ابوک فقالت (حفصہ) من انباک ھذا۔ قال (رسول اللہ) نبانی العلیم الخبیر۔ وفی مجمع البیان ان ابابکر وعمر یملکان بعدی قال وقریب من ذلک مارواہ العیاشی عن ابی جعفرالخ (تفسیر صافی صفحہ ۵۰۷/۵۰۸)

اگرچہ دشمن نے اس سے اپنا اور مطلب نکالنا چاہا ہے مگر اللہ تعالےٰ نے انکی عقل ماردی کیونکہ سبائیہ کمیٹی کی غدیر خم والی دروغ بافی اس سے باطل ہو جاتی ہے۔ یہ آیتیں اور ان کا نزول اور یہ واقعہ غدیر خم کے واقعہ سے اول کا ہے۔ پس تعجب ہے کہ جب خدا نے رسول کریم صلعم کو خبر دیدی کہ ابوبکر اور عمر خلیفہ ہونگے۔ تو پھر بعد ازیں غدیر خم پر دستار بندی و ولیعہدی بایں طمطراق چہ معنے دارد دروغ گو را حافظہ نباشد۔ شاید خدا اور رسول کو بداء واقع ہوا۔ پھر اسی تفسیر قمی میں یہ بھی لکھا ہے کہ ابوبکر اور عمر دونوں کو خبر ہو گی۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے۔ اور عمر نے کہا آن ھذا حق۔ کہ آنحضرت صلعم کا یہ کہنا سچ ہے۔ جب اُن کو خبر ملگئی کہ تم ضرور خلیفہ ہو گے اور خدا نے ایسا فرمایا ہے۔ تو ان کا کیا گناہ ہے۔ اسواسطے تشیع کی دیگر روایات اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو وصیت کر دی تھی کہ تم معاملہ خلافت میں ابوبکر و عمر سے جھگڑا مت کرنا۔ ملاحظہ ہو علامہ بحرانی کی شرح نہج البلاغہ حضرت علی فرماتے ہیں:۔

فنظرت فی امری فاذا طاعتی قد سبقت بیعتی واذ المیثاق فی عنقی لغیری (صفحہ ۱۰۲ جلد اول نہج البلاغہ) ✦ رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد میں نے اپنے معاملہ میں غور کی تو قبل اس کے کہ میں خود ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کروں بامتثال امر رسول کریم (کذا فی شرح علامہ بحرانی) مجھ پر اسکی اطاعت لازم ہو چکی تھی۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت کا میثاق (عہد) میری گردن میں پڑ چکا تھا پس میں نے بیعت کر لی اور اختلاف نہ کیا۔ بلکہ خود سواد اعظم مہاجرین و انصار سے ہی متفق ہو گیا۔ جناب مولا مرتضیٰ مہاجرین اور انصار کے اتفاق اور سواد اعظم کی کیسی تعریف فرماتے ہیں ✦

والزموا السواد الاعظم فان ید اللہ علی الجماعۃ وایاکم والفرقۃ فان الشاذ من الناس للشیطان کما ان الشاذ من الغنم للذئب الخ (صفحہ ۲۹۸ جلد ۱ نہج البلاغہ)

اس سواد اعظم کو لازم پکڑو تحقیق اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے خبردار ہو جاؤ تفرقہ سے بچو ہر آئینہ اکیلا آدمی واسطے شیطان کے ہے جیسا کہ اکیلی بکری واسطے شیر کے خبردار ہو جاؤ اگر کوئی تم کو تفرقہ کی طرف بلائے اور سواد اعظم سے ہٹانے کی کوشش کرے تو اسکو قتل کرو۔ اگرچہ وہ میرے اس عمامہ (پگڑی) ہی کے نیچے کیوں نہ ہو۔ یعنے اگر اس غلط راہ کیطرف بلانے والا خود علی مرتضیٰ بھی ہو تو اسکے ہمراہ بھی یہی عمل کرو ✦

الغرض میں اپنے اصل مقصد کی طرف عود کر کے عرض کرتا ہوں کہ خلافت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خبر اللہ تعالے نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو دل سے ہی دیدی تھی۔ آنحضرت اسکو کتابت کی شکل میں لانا چاہتے تھے جیسا کہ حدیث مسلم سے ظاہر ہے۔ جب جھگڑا ہونے لگا۔ تو یہ کہکر ترک کر دیا کہ خلیفہ تو ضرور ابوبکر ہی ہوگا لکھوانے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا کی مشیت مہاجرین اور انصار اس مشیت الٰہی کے امضاء کرنے والے پھر کیا بات ہے یہ بڑی پکی بات ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں ✦

انما الشوریٰ للمہاجرین والانصار فان اجتمعوا علی رجل وسموہ اماما کان ذالک للہ رضی فان خرج عن امرہم خارج بطعن او بدعۃ ردوہ الی ما خرج منہ فان ابی قاتلوہ علی اتباعہ غیر سبیل المومنین (صفحہ ۸ جلد ۲۔ نہج البلاغہ) ✦

سوائے اس کے نہیں کہ شوریٰ کا حق مہاجرین اور انصار ہی کو حاصل ہے پس اگر مہاجرین اور انصار جمع

ہو کر ایک شخص کو امام مقرر کر دیں تو بیشک اسی میں اللہ تعالے کی رضاء ہے۔ جو شخص ان کے اس اجماع اور فیصلہ سے اعراض کرے تو اسکو جبراً اس اجماع کی طرف لوٹاؤ اور اگر انکار کرے تو اسکے ہمراہ مقاتلہ کرو کیونکہ وہ غیر سبیل المؤمنین کی پیروی کرتا ہے +

دوسرے موقعہ پر جناب مرتضیٰ فرماتے ہیں:۔

لانھا بیعۃ واحدۃ لا یثنی فیھا النظر ولا یستانف فیھا الخیار الخارج منھا طاعن والمروی فیھا مداھن (صفحہ ۹ جلد ۲ نہج البلاغہ) +

علامہ ہیثم بحرانی شیعی اس خطبہ کی شرح میں لکھتے ہیں۔ وقولہ۔ انما الشوریٰ الیٰ قولہ تولّی۔ حصر الشوریٰ والاجماع فی المہاجرین والانصار لانھم اھل الحل والعقد من امۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فاذا اتفقت کلمتھم علی حکم من الاحکام کاجتماعھم علی بیعتہ وتسمیتہ اماماً کان ذالک۔ اجماعاً حقاً ھو رضی اللہ ای مرضی لہ سبیل المومنین الذی یجب اتباعہ الخ۔ حضرت علی مرتضیٰ علیہ السلام اس اتفاق صحابہ کرام مہاجرین و انصار کو سبیل المؤمنین فرماتے ہیں۔ اور سبیل المومنین واجب الاتباع ہے۔ قال اللہ تعالیٰ۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ و یتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولی ونصلہ جہنم الخ

ایک دوسرے خط میں جو علی مرتضیٰ علیہ السلام نے امیر شام رضی اللہ عنہ کو لکھا تحریر فرماتے ہیں:۔ فکتب جوابہ من عبد اللہ علی امیر المومنین الی معاویۃ + اتانی کتابک کتاب امرء لیس لہ بصر الخ ..... قال زعمت ان انسد علی بیعتک وکنت امرء من المھاجرین اوردت کما اوردوا واصدرت کما اصدروا وما کان اللہ لیجمعھم علی ضلال ولیضربھم لعمی الخ۔ حضرت علی علیہ السلام اسی خطبہ میں فرماتے ہیں اور یہ الفاظ قابل غور اور توجہ ہیں۔

میں ایک شخص مہاجرین میں سے ہوں جیسے وہ دین کے گھاٹ پر وارد ہوئے میں بھی وارد ہوا۔ اور جیسے وہ وہاں سے صادر ہوئے میں بھی صادر ہوا اور خداوند تعالے ہرگز ان کو گمراہی پر مجتمع نہ کریگا۔ اور نہ ان کو اندھے پنے میں مبتلا رکھیگا۔ کہ وہ ایک ایسے شخص پر اجتماع کرکے اسکو امام

مقرر کریں جو اہل الخلافت نہ ہو گویا بالفاظ دیگر وہ گمراہی اور ضلالت پر جمع اور متفق ہوئے اور یہ محال ہے، کیونکہ جس پر جمع ہوں وہ سبیل المومنین ہے جو واجب الاتباع ہے۔ وہ مہاجرین اور انصار ضلالت اور گمراہی کے امر پر ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔ پس حضرت علی علیہ السلام کی دلیل سے ابوبکر اور عمر اور عثمان اور خود حضرت علی علیہم السلام کی خلافتیں سب درست حق اور صحیح تھیں جو مہاجرین اور انصار کے اجتماع سے منعقد ہوئیں۔

حضرت علی علیہ السلام اوّل سے ہی اسباب کو جانتے تھے اور حضرت عباس علیہ السلام کے کہنے سے وہ آنحضرت صلعم کے پاس دریافت کے واسطے نہیں گئے۔ کیونکہ بار ہا وہ ابوبکر کی نسبت طرز عمل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا دیکھ چکے تھے۔ چنانچہ وہ اپنے ایک کلام میں اسی کی طرف اشارہ فرماتے ہیں۔ جبکہ ابوسفیان اور حضرت عباس وغیرہ نے انکو خلافت کے لئے اُبھارنا اور برانگیختہ کرنا چاہا۔ اور انہوں نے حضرت علی کو کہا۔ کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں (قال علی علیہ السلام) ایہا الناس شقوا امواج الفتن بسفن النجاۃ الخ ... ھذا ماء آجن ولقمۃ یغص بھا آکلھا و مجتنی الثمرہ لغیر وقت ایناعھا کالزارع بغیر ارضہ (صفحہ ۴۱ جلد ا۔ نہج البلاغہ)

لوگو ایسی باتیں مت کرو فتنوں کی موجوں کو نجات کی کشتی سے پھاڑو اور طے کرو منافرت کے طریقہ کو چھوڑ و تفاخر اور تعلّی کے تاج سر سے اتار کر پھینک دو۔ یہ خلافت کی خواہش اس وقت گدلا پانی ہے۔ اور ایک ایسا لقمہ ہے کہ کھانے والے کے حلق میں اٹک جائے اور تنفس کو بند کر دے قبل از وقت پھل بغیر پکنے کے توڑنے والے کی مثال مانند اس کاشتکار کے ہے جو دوسرے کی زمین میں کشت کرتا ہے ایسی صورت میں اسکو کیا ملسکتا ہے دیکھیں مولےٰ علی علیہ السلام نے انکو متنبہ کر دیا کہ خلافت میں اس وقت میرا حق نہیں ہے۔

پس یہ امر موجہات بالا قطعاً باطل ہے کہ سند خلافت علی کیواسطے آنحضرت لکھواتے تھے اور حضرت عمرؓ نے منع کر دیا۔

جواب تحقیقی

اصل میں جھگڑا اور تنازع اہلبیت نے کیا اور مرض میں حضور نبوی کو دق کیا۔ بلکہ کتابت کی فرمائش

کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کتابت کی کیا ضرورۃ ہے۔ اسوقت حضور بیمار بھی ہیں اور آنحضرت پر درد کا غلبہ ہے تم سب مومن کامل الایمان ہو یہ قرآن موجود ہے اور اسکی شان۔ تبیانا لکل شئی کتابا مفصلا۔ ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین۔ ما فرطنا فی الکتاب من شئی وغیرہ وغیرہ ہے۔ اس کا جو حکم ہو اس پر عمل کرو۔ چنانچہ اسی حدیث قرطاس میں وہ تیسری بات جو راوی کو بھول گئی اور اس کے ذکر سے سکوت ہوا محدثین فرماتے ہیں یہی تھی کہ قرآن سے تمسک کرو اور اس پر عمل کرو +

اب بات تو صرف اس قدر تھی دشمنوں نے بات کا بتنگڑ بنا دیا ہے۔ اسی حدیث میں بیشتر رسول اللہ کا فقرہ موجود ہے درد اور بیماری کے غلبہ کا ذکر بھی ہے پھر امامیہ کا جو اعتراض ہے وہ بے بنیاد ہے وارد ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ رد تو حضرت عمران پر کرتے ہیں جو لانے یا نہ لانے پر نزاع رکھتے تھے جیسا کہ عندکم حسبکم جمع کے الفاظ اور ضمائر ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر توبوجہ غلبہ درد وحالت محسوسہ تخفیف مطلوب ہے فحوائے حدیث سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر دو متنازعین گروہ میں تفع تکلیف آنحضرت صلعم کیلئے بطور ثالث ایک رائے دیتے ہیں نہ کہ بے ادبی اور نافرمانی۔ بیماری کی حالت درد دیکھ کر اور آپکی مرضی معلوم کر کے کہ خود بیمار ان کی اس فرمائش کتابت سے دل تنگ ہے اگرچہ بوجہ اہلبیت کے اصرار کے ان کے تالیف قلوب کے لئے کہ دیتا ہے کہ قلم دوات لاؤ مگر دل سے نہیں چاہتا۔ حضرت عمر نے مرضی مبارک کے مطابق رائے دی جس پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اور کتابت کو ترک فرمایا۔ حالانکہ اگر کتابت ضروری اور لازمی ہوتی تو باقی ایام مرض میں اسکو لکھوا سکتے تھے تین دن اس واقعہ کے بعد بھی آنحضرت صلعم زندہ رہے۔ اور وعظ و نصائح زبانی فرماتے رہے۔ اور آنحضرت صلعم اللہ علیہ کی ہدایت تھی۔ ولا تکتبوعنی غیر القران کیا حضرت عمر ہر وقت وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ مولا مرتضی اور حضرت زہرا لکھواتے جیسا کہ بقول تشیع فدک کا نوشتہ لکھوا لیا تھا۔ اگر ہمارے شیعہ احباب میں ذرہ بھی حق پسندی ہو اور وہ متن حدیث اور اسکے الفاظ پر غیر تعصب و حسد دل سے کر غور کریں تو الفاظ۔ دعونی۔

دعونی فالذی انا فیہ خیر مما تدعونی الیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور آنحضرت صلعم کو اول سے اہلبیت کی طرف سے اسی قسم کتابت وغیرہ کی کچھ فرمایش تھی جس کو آنحضرت پسند نہیں فرماتے تھے جب زیادہ اور بار بار اصرار ہوا تو کہا قلم دوات لاؤ۔ حضرت عمرؓ نے جو وہاں اتفاق سے عیادت کے لئے حاضر تھے ثالثانہ رائے دی جس کو پسند کیا گیا۔ اور معاملہ طے ہو گیا۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو پسند فرمایا +

بحث اعتراض نمبر سوم

ہمارے امامیہ اصحاب حواس باختہ ہو کر اعتراض کرتے جاتے ہیں۔ اصل حدیث کے الفاظ اور اس کے سیاق پر غور نہیں کرتے اس قدر باطل کے حامی ہیں کہ ہذیان کی نسبت کرنے میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی مجرم قرار دیتے ہیں۔ العجب ثم العجب + فقالوا ماشانہ کیا فقالوا کے معنے پس کہا عمرؓ نے ہو سکتے ہیں؟ جبکہ حضرت عمرؓ نے قد غلبہ علیہ الوجع وعندکم القرآن حسبکم کہا تو دوسرا جملہ۔ فقالوا ماشانہ اہجر تو اس کے جواب میں واقع ہے۔ اور یہ جملہ فقرہ عمری کا نقیض ہے اس فریق کی طرف سے جو تحریر لکھوانے کا خواہشمند تھا کیونکہ وہ فریق کہتا ہے کہ کیوں ان کے حکم کتابت کی تعمیل نہیں کرتے ہو قلم دوات لاؤ۔ اور حکم کی تعمیل کرو۔ آیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بات غلبہ درد اور شدت مرض کی وجہ سے ہے؟ ذرا خیال کرتے ہو۔ اچھی طرح تحقیق اور دریافت کر لو۔ اور تشیع کے مسلمات کی رو سے کتابت کا خواہشمند مولا مرتضیٰؓ کا پروہ تھا کیونکہ ابن عباس چچا زاد علیؓ کا اسیر ہونا اور افسوس کرنا دلیل واضح اسپر ہے۔ پس اعتراض تو جناب مرتضیٰ پر عاید ہوتا ہے۔ اور (اہجر) کے معنے جو وہ کرتے ہیں وہ جانیں اس کا اثر بھی مولیٰ مرتضیٰ پر پڑیگا۔ ہمارا ہرگز یہ ایمان نہیں کہ جناب مرتضیٰ نے (اہجر) کا لفظ ہذیان اور بکواس کے معنوں میں استعمال کیا ہو اس کے اور معنے بھی ہیں۔ کتب لغت کی طرف رجوع کرو۔ اس کے آگے کلمہ استفہام صاف موجود ہے جس سے ثابت ہے کہ (اہجر) استفہام کے طور پر واقع ہے۔ اور

یا انپر رد ہے جو کہتے ہیں نہ لکھواؤ۔ اے لا تجعلوا امر رسول اللہ کا ما من ھجا نی کلام۔ اس فریق نے کہا کہ اگرچہ آنحضرت صلعم کو درد کا غلبہ اور بیماری کی شدت تو شدت تو ضرور ہے۔ مگر ان کے کلام کو دوسرے بیماروں جیسا کلام نہ تصور کرو جو شدت بخار اور حمی ایں کچھ پریشان باتیں بھی کرنے لگتے ہیں۔ ذرہ مکرر تحقیق کرکے دریافت کر لو۔ یہ بالکل صاف بات ہے اس میں کوئی اشکال نہیں۔ اگر حضرت عمرؓ کا کلام قد غلب علیہ الوجع وعندکم القرآن ہے۔ تو ظاہر ہے کہ یہ دوسرا کلام ما شانہ اھجر اس کا نہیں۔ اور اگر ایک حدیث میں وہ الفاظ ہیں۔ اور دوسری میں اس کے خلاف اور متناقض تو اذا تعارضا تساقطا قاعدہ مسلمہ ہے ہم دونوں پر اعتبار نہیں کرینگے اور خبر متعارض کو رد کر دینگے اور ہرگز تسلیم نہیں کرینگے۔ اگر ان میں تطبیق اور توفیق نہ ہو سکے +

میں ہمیشہ اس بات سے تعجب کرتا ہوں کہ اس وقت یہ کلمات ہرگز برے معنوں میں خیال نہیں کئے گئے ورنہ وہ مہاجرین اور انصار جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اپنے جانیں بکروں کی طرح ذبح کر دائیں۔ اپنا اہل و عیال مال و دولت سب اس کے واسطے لٹا دیئے وہ رسول اکرم صلعم کی ایسی ہتک اور بے عزتی دیکھکر خاموش رہ سکتے تھے پھر اسد اللہ غالب کہاں تھے۔ وہ ہاشمی خون اور عصبیت جو باوجود مخالف مذہب انہوں نے آنحضرتؐ کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا عنقا ہو گئی تھی۔ بدبختو ایک منافق سے اس قدر مومنین یا تمکین ڈر سکتے ہیں تم کو قرآن پر ایمان نہیں۔ منافق ذلیل تھے۔ و للہ العزۃ ولرسولہ ولکن المنافقین لا یفقھون ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا۔ لا یجاورونک فیھا الا قلیلا۔ ھموا بما لم ینالوا۔ منافق کی شان ھم بما لم ینال ہے فما ربحت تجارتھم ما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر۔

انما یرید اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا وتزھق انفسھم وھم کافرون یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم المنافقون

والمنافقات بعضھم من بعض یأمرون بالمنکر وینھون عن المعروف ویقبضون ایدیھم۔ نسوا اللہ فنسیھم۔ واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا واذا خلوا الی شیاطینھم قالوا انا معکم۔ یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم۔ وان یتولوا یعذبھم اللہ عذابا الیما فی الدنیا والاخرۃ۔

غرضکہ آخری ایام رحلت آنحضرت صلعم کے وقت منافق ذلیل ہو چکے تھے۔ اور کوئی شوکت اور عظمت ان کو حاصل نہ تھی وہ ڈر ڈر کر معدودے چند گذارا وقات کرتے تھے بھلا منافقوں کا یہ جاہ جلال ہو سکتا ہے۔ کہ العیاذ باللہ وہ آنحضرت صلعم کو دوبدو کہیں کہ یہ شخص ہذیان بکتا ہے۔ العیاذ باللہ نقل کفر کفر نباشد۔ ان جہلا کو حالات رسول کریم اور طرز عمل صحابہ کرام کا کوئی صحیح علم ہی نہیں +

غرض کہ اب ہزار سال بعد یہ دشمنان دین اسلام ایسے امورات اور مباحثات کو اعتراض کے قالب میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں جب مذہب روافض ایجاد ہوا اور اس کی سر سبزی شروع ہوئی تو اس مذہب کے موجدین اور مصنفین کو اس بات کی بڑی ضرورت محسوس ہوئی کہ جھوٹی روایتیں اور حدیثیں بنائی جاویں۔ افترا باندھے جاویں۔ اعتراضات کئے جاویں۔ چھوٹے کو بڑا اور بڑے کو چھوٹا بنانے کے لئے جب تک بڑوں اور پہلوں کو ظالم غاصب۔ مرتد۔ منافق وغیرہ وغیرہ قرار نہ دیا جاوے اور ثابت نہ کیا جاوے تب تک کام چل نہیں سکتا۔ اس لئے افترا پردازی اور جھوٹ سے نکتہ چینی معائب حضرات سابقین الاولین خلفاء راشدین رضوان اللہ علیھم اجمعین کے تراش تراش کر بیان کرنے شروع کر دیئے۔ جیسے کہ واقعہ صلح حدیبیہ کے متعلق کہا حضرت عمرؓ نے بڑی بے ادبی حضور نبوی میں کی اور نبوت آنحضرت صلعم میں بھی شک کیا۔ اسی طرح کئی موافقات کے متعلق فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر گستاخی کے الزام لگائے +

اتفاقات سے یہ مرض نبوی علیہ الصلوۃ والسلام کا واقعہ بھی پیش نظر تھا ان کے چلتے پرزوں نے جو سبائیہ کمیٹی کے رکن رکین تھے دیکھا کہ ہم تو حضرت عمرؓ پر گستاخی کے

الزام لگاتے تھے۔ بادی حضرت علی علیہ السلام سے پہلے صفیہ ابوجہل کے نکاح کا ارادہ کرنے حدیبیہ کے صلح نامہ میں دوبدو رسول اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم نہ ماننے (واللہ لا امحوک ابداً) فقال امیر المومنین ما انا اسمک من النبوۃ ابداً فمحاہ رسول اللہ (تفسیر صافی صفحہ سطر) کا الزام جو حضرت علی پر عاید ہوتے ہیں بڑی وقت سے ان کے رفع کرنے کی انہوں نے کوشش کی ہے۔ اور ان کو دفع کرتے رہے ہیں۔ اب اس جھگڑے اور تنازع بے ادبی اور مرض موت میں دق کرنیکا اور وصیت لکھوانے کا الزام جو انپر عاید ہوتا ہے یکس کے سر تھوپیں جھٹ الزام اور اعتراض کو اہل البیت سے ہٹا کر ثالث بالخیر حضرت فاروق اعظم کے سر پر منڈھ دیا۔ اہل سنت والجماعت جناب صحابہ کرام کی عزت اور توقیر کرتے ہیں اور اسی طرح جناب حضرات اہلبیت علیہم السلام کی اصلی اور حقیقی محبت ان کے دل میں بھری ہوئی ہے۔ بھلا وہ حضرت علی پر باوجود ان فلات کے جوان سے صادر ہوئے کب زبان درازی کر سکتے ہیں مگر روافض نے تو اپنے مذہب کی بنیاد ہی ان نکتہ چینیوں اور افترا پردازیوں پر رکھی ہوئی ہے۔ اگر وہ ایسا عمل نہ کرتے تو ان کا مذہب چل نہیں سکتا تھا +

نکتہ معرفت

اصل میں اہل عرب کی اصطلاحات ایسی ہیں کہ جب ان الفاظ کا ترجمہ اردو یا فارسی میں کیا جاوے تو ہندیوں اور ایرانیوں کے نزدیک وہ کلمات معیوب ہوجاتے ہیں۔ مگر اہل زبان کے نزدیک وہ معیوب اور قابل اعتراض نہیں ہوتے۔ اور اس کی بہت سی نظائر ہیں۔ اس رسالہ میں اس کی گنجائش نہیں بس یہ (ھجر) کا لفظ جو بہت سے معانی میں مستعمل ہوتا ہے۔ منجملہ ان کے اہل عرب اور اہل زبان اس بیمار پر جو بخار کی شدت اور درد کے غلبہ سے مضطرب ہو رہا ہو۔ اور ایسی حالت میں وہ زبان سے بھی کچھ کلمات کہے استعمال کرتے ہیں اور اس میں کسی قسم کی گستاخی اور بیمار کی تحقیر سرگز ان کے خیال اور وہم میں بھی نہیں ہوتی۔ جب فارسی میں جب اس کا ترجمہ ہندیان اور اردو میں بکواس کیا

گیا تو ہماری نگاہ میں اپنے خیال میں ترجمہ کے لحاظ کو مدنظر رکھتے ہوئے (ھجر) کا لفظ بھی خراب اور برا معلوم دکھائی دینے لگا۔ کیونکہ ترجمہ میں اصلی حقیقت عربی کی اصطلاح اور محل استعمال کی ہرگز ادا نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کو اہل علم محققین خوب جانتے ہیں۔ اب احمق نادان معترض عربیت سے تو ناآشنا ہے ہذیاں اور بکواس پر اس کا مبلغ علم پہنچتا ہے۔ اور اسی کو دیکھتا اور مدنظر رکھتا ہے پس اس کو سخت برا لگتا ہے کہ میں حضرت عمرؓ نے یا کسی اور نے حضرت نبی کریم صلعم کو بکواس کی نسبت دی۔ مگر یہ اس کی سفاہت ہے۔ اس کا وہی حشر ہے جو عبدالغفور آریہ تارک اسلام کا ہوا تھا۔ اللہ تعالٰے فرماتا ہے۔ واللہ خیر الماکرین۔ واللہ یستہزئ بہم۔ دشمن حاسد بے بصیرت دشمنی حسد تعصبات کے جذبات دل میں چھپا کر خدا بڑا مکار ہے۔ خدا مخولی اور ٹھٹھہ باز ہے۔ اس کے ترجمے کرتا ہے مگر حقیقت سے نابلد محض ہے کہ مکر۔ استہزا اور کید کے معنے اور اس کی اصطلاح اہل زبان کے نزدیک ترجمہ اردو سے بالکل متغائر ہے جس کو اردو کا مفہوم اور الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ صرف کم نظر لوگ زبان کی تنگی پر فکر نہیں کرتے کہ عربی کے مفہوم کو یہ ضیق زبان ہرگز کما ھو پورا ادا نہیں کر سکتی۔ اور لایعنی اعتراضات کر دیتے ہیں۔ یہی حال (ھجر) کے لفظ کا بھی ہے۔ اور اسی واسطے ایک شیعی مولوی ایرانی نے جس کا دماغ راست کو دیکھکر نہ کام میں مبتلا ہے۔ اپنے رسالہ میں اس پر بحث کرتے ہوئے لکھدیا ہے۔ کہ لاکنہ ایضًا لیس مما ینفع عمرؓ لا یحتمیہ اصلا الان لتشویع احتمال الفحش والھذیان فی کلام النبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کما ھو مقتضی مقام الاستفہام یکفی فی خروج المستفہم عن حریم حرم الاسلام ثم مخالفۃ امرہ وعصیان حکمہ الخ

علاوہ براں یہ لوگ حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے طرز تمدن اور ان کی باہمی معاشرت سے جاہل ہیں۔ ان کو یہ خبر نہیں کہ آنحضرت صلعم کا طرز عمل اور مجلس ہمراہ صحابہ کرام کس طرح تھی اگر سیرۃ نبوی کے اخبار دیکھیں تو ان کو معلوم

ہو۔ کہ وہ بہت سادہ پاک اور صاف تکلفات سے منزہ آزادی اور حریت سے مملو تھی۔ آنحضرت صلعم جب آتے تو کوئی صحابی یا صحابہ جو بیٹھے ہوتے مطلق نہ اٹھتے وما انا من المتکلفین۔ مباحثہ میں مشورہ اور رائے دینے کی آزادی ہر ایک کو حاصل تھی۔ آنحضرت صلعم کے ہمراہ بحث کرتے جھگڑتے مگر موقعہ اور محل کو خوب جانتے عزت اور محبت بھی آنحضرت صلعم کی اس قدر ملحوظ رکھتے جس کی کوئی حد نہیں جب اسلام میں آتش پرست مجوسی رومی ہندی لکھنوی جو ایک بال فرینے پر دس دس دفعہ اپنی سرینوں کو اٹھاتے ہٹاتے رہتے ہیں داخل ہوئے تو وہ اپنی اپاہج رسومات اور عادات طرز معاشرت کو اپنے ہمراہ لائے پس یہ سب تکلفات اور بیہودہ امورات جزو مذہب تصور ہونے لگے کیا اگر کوئی ڈھیلا آدمی یا مولوی ہی سہی جو نبی اکرم صلعم کی گدی کی وراثت کا مدعی ہے کسی مجلس میں آجاوے اور اس کے ساتھ اٹھ بیٹھ نہ کی جاوے تو وہ خوش اس مجلس میں رہیگا۔ ہرگز نہیں ہرگز نہیں کیوں اسی وجہ سے کہ اپنے رسوم اور خواہشات کا بندہ اور غلام ہے ایک دو سکے اس بیٹھک اٹھک پر تراش بھی لیگا پس یہ غلط فہمی جوان متکلمین میں پیدا ہوگئی۔ انہی لحاظات سے ہے جب کہ ہم نے تقریر کی اہل بصیرۃ ہو کر جو ہماری تحریر میں غور کریگا۔ وہ ضرور تسلیم کریگا کہ صحابہ کرام کا طرز عمل اور برتاؤ ہمراہ آنحضرت صلعم اور آنحضرت صلعم کا ان کے ہمراہ بالکل سیدھا سادہ تھا۔ تکلف کا مطلق نام تک بھی وہاں نہ تھا۔ اس وقت ان باتوں کو ہرگز معیوب تصور نہیں کیا گیا۔ یہ پچھلے ان لوگوں کو سوجھیں جو اس نکتہ چینی سے ایک تو کچھ غرض بھی رکھتے تھے۔ دوسرے اپنی رسومات اور تکلفات کے پابند تھے۔ ڈیڑھ ہزار سال کی گذشتہ باتوں اور اس وقت کے تمدن اور معاشرۃ طرز کلام وغیرہ کو حال میں اپنے تمدن اور معاشرت طریقہ گفتگو و کلام طرز مجلس سے جو ہزار ہا رسومات بد کا مجموعہ ہے مقابلہ کرنے لگے ہیں اور اسی واسطے اس کو معیوب سمجھ کر کبھی بے ادبی اور کبھی گستاخی قرار دیتے ہیں۔ جتنے اس کے خارج از

اسلام ہونے کا فتویٰ بھی ایرانی صاحبان نے دیدیا ہے۔ اس کے علاوہ اگر ان سے کوئی پوچھتا کہ اے نادان کیوں رسول اللہ نے اس کو کافر قرار دیکر جماعت سے خارج نہ فرمایا۔ اور کیوں ایسا فتویٰ نے جواب تو اسپر لگاتا ہے۔ اسد اللہ غالب یا بنو ہاشم یا دیگر مہاجرین و انصار نے اسپر نہیں لگایا۔ کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ فی الواقعہ نہ تو یہ کوئی کفر کی بات ہے نہ گستاخی اور بے ادبی صرف ان کے خیال غلط نے ایسا اندازہ لگایا۔ اور اپنی طرز معاشرت تمدن اور کلام وطرز مجالس کو ڈیڑھ ہزار سال گذشتہ کی باتوں اور اس وقت کی معاشرت کے لئے میزان قرار دیا جو ایک بیہودہ رائے دشمنی اور حسد کے جذبات سے بھی ملوث ہے +

ایک اور جواب از امام تیمیہ

یہ حدیث صحیح مسلم سے ثابت ہے کہ ایک دفعہ ایام مرض میں پہلے بھی آنحضرت صلعم نے ابو بکر کے لئے خلافت کی دستاویز لکھنے کی تجویز کی تھی۔ اور پھر خود ہی کتابت کو ترک کر دیا جمعرات کے روز پھر آنحضرت صلعم نے ارادہ کتابت کا فرمایا اور اس واقعہ اور جھگڑے کے پیش آنے سے کتابت کو ترک کر دیا اور آنحضرت صلعم نے سمجھ لیا کہ کتابت کا فایدہ نہیں ہے۔ اور یہ کتابت خلافت ابی بکر کے لئے اس لئے فرماتے تھے تاکہ نزاع کچھ باقی نہ رہے۔ اور یہ ایک مصلحتی کلمہ تھا جو آنحضرت صلعم کی اپنی رائے اس کی مقتضی ہوئی۔ اگر حکم وحی الہی سے ہوتا اور خدا نے اس کی کتابت واجب کر دی ہوتی تو رسول اکرم صلعم کب اس کو ترک کرتے +

اور یہ الفاظ۔ ما شانہ اھجر اگر حضرت عمر نے کہے تو ایک شک کی وجہ سے کہے کہ اس کو شک ہوا کہ آیا یہ حکم عام عادت کے مطابق آنحضرت فرماتے ہیں یا بخار کی شدت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ بیماری مرض درد وغیرہ حوائج دعوارضات بشریہ میں آنحضرت صلعم دیگر تمام انسانوں جیسے تھے +

قل انما انا بشر مثلکم پس یہ معاملہ حضرت عمر پر اسی طرح مخفی تھا جیسا کہ

وفات آنحضرت صلعم کا واقعہ اس میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو شک واقعہ ہوا
تھا۔ مگر ابوبکر نے تسلی کر دی۔ اسی طرح آنحضرت صلعم کے حکم کو حضرت عمر رضہ نے
بوجہ غلبہ درد و شدہ بخار دمی کے معمولی سمجھا اور جھگڑا ہو کر دو گروہ بن گئے آپ پر
آنحضرت صلعم نے مصلحت یہی سمجھی کہ کتابت مفید نہیں۔ اور جیساکہ پہلے ایک دفعہ
ارادہ کتابت کر کے پھر ارادہ ترک کر دیا تھا۔ آپ بھی کتابت کو چھوڑ دیا +

ختم

نذر علی از پشاور